© rasailojaraid.com

وہ جب تک ان رسموں پر دل کھول کر عمل نہیں کر لیتے ان کی تشنگی دور نہیں ہوتی. کیونکہ اُن کے خیال میں شبِ برأت نام ہی ان رسموں پر عمل کرنے کا ہے اور اُن کے غور و فکر کی کل کائنات ہی یہ ہے۔ معلوم نہیں حماقت و جہالت کے خمیر سے گندھی ہوئی یہ رسمیں اس رات کی برکتوں میں کب سے شامل ہوئیں، شامل بہر حال ہوگئیں اور اب اِس بگڑی ہوئی صورت کی اصلاح کیلئے جرأت، احتیاط اور حکمت عملی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

آتش فشانیوں کے اِس ہنگامۂ حماقت اور قومی سرمایہ کی اس بھیانک بربادی کے جواز کی کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔ آتش بازی کی رسم کو ایک لمحہ کے لئے بھی باقی نہ رہنا چاہیئے۔ معاشی اور اقتصادی بدحالی کے اِس دَور میں آگ سے کھیلنے کے اِن خطرناک تماشوں ــ پر بے ضرورت لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کرنا ہوش کی بات نہیں ہو سکتی۔ وقت کی آواز یہ ہے کہ اس سرمایہ کو قوم کی تعلیمی اور سماجی ضرورتوں اور سوسائٹی کے بے وسیلہ اور نادار افراد کی نگہداشت پر صَرف کیا جائے۔

قومی تقریبوں اور سماجی کردار میں گہرا تعلق ہے۔ کسی قوم کا تہوار اس کے سماجی کردار کا آئینہ ہوتا ہے جس میں افرادِ قوم کے مزاج اور طبعی خصوصیات کو صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے اور اندازہ لگایا جاتا ہے کہ زندگی اور اس کی ذمہ داریوں سے متعلق اُن کے احساسات و رجحانات کیا ہیں۔ یہی ہے وہ پیغام جو آپ نُور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اس رات کی زبان سے سُن سکتے ہیں اور توفیق کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔

"خوشخبری ہو اُن کیلئے جو بات ٹھکانے سے سُنتے ہیں اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو خدا نے سیدھی راہ دکھائی اور یہی ہیں جن کو عقل و فہم کی دولت سے نوازا گیا ہے۔" (قرآنِ کریم)

۲، فروری ۱۹۶۱ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی مفتی صاحبؒ کی نظر میں

از: انیس الحسن

بانیٔ جماعت اسلامی ہند مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی دہلوی کی شخصیت اپنے مخصوص انداز فکر و تحریر کے لحاظ سے علماء دیوبند کے لیے رد و کد کا ایک مستقل موضوع بن گئی تھی۔ مودودی صاحب کی بعض نگارشات پر سخت ردِّ عمل ہوا اور تحریر و تقریر میں بہت کچھ لے دے ہوئی۔ اُن کی صفائی یا حمایت میں بھی اور برملا مخالفت میں بھی بہت کچھ کہا اور لکھا گیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ بجائے خود دیوبندی مکتب فکر کے مسلّم نمائندہ اور نقیب تھے اور بڑے معتدل اور متوازن فکر و شعور کے ساتھ اپنی کوئی رائے قائم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض مباحث میں مودودی صاحب کے آراء و افکار سے اختلاف رکھتے ہوئے بھی مفتی صاحبؒ نے مودودی صاحب کی ممتاز صلاحیتوں اور عظیم خدمات کو سراہنے میں کسی تنگ دلی سے کام نہیں لیا بلکہ کھلے لفظوں میں اُن کو خراج تحسین پیش کیا۔

ذیل میں ہم مفتی صاحبؒ کی دو تقریروں کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جو انھوں نے مولانا مودودی کی وفات کے بعد تعزیتی اجتماعات میں کی تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلی تقریر مسلم مجلس مشاورت کے تعزیتی جلسہ عام میں

"ہم سب مرحوم کی جدائی سے مغموم ہیں۔ آج وہ دنیا میں نہیں ہیں مگر اُن کے کارنامے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے ...... انھوں نے ایک فکر دیا اور اس کی بنیاد پر ایک جماعت قائم کی۔ اُن کا شمار شروع ہی سے بہترین صحافیوں اور انشاء پردازوں میں ہوتا تھا۔ وہ ایک زمانہ تک اخبار الجمعیۃ کے چیف ایڈیٹر رہے۔ اُن ہی دنوں کی بات ہے کہ اخبار الجمعیۃ میں قتل مرتد پر قسط وار ایک طویل مضمون شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون اخبار میں حضرت مفتی محمد کفایت اللہؒ کے نام سے نکلا تھا لیکن درحقیقت اُس کے لکھنے والے یہی سید ابوالاعلیٰ مودودی تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اُن کو کچھ نوٹ لکھ کر ضرور دیے تھے اور ضروری ہدایات بھی تھیں مگر مضمون کے اصل مرتب اور لکھنے والے مودودی صاحبؒ ہی تھے۔ اس مضمون کی بہت دھوم ہوئی تھی اور عام طور پر اس عالمانہ اور محققانہ تحریر کو بڑی قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔"

....

دوسری یادگار تقریر ۱۲ اکتوبر کو پنجاب یونیورسٹی لاہور کے وسیع ہال میں انگلینڈ، امریکہ، یورپ، ممالک اسلامیہ وعربیہ سے آئے ہوئے ہزاروں ارباب علم وفضل کے اجتماع میں!

"مولانا مودودی مرحوم نے ایک باشعور مبلغ اور داعی کی حیثیت سے تقریباً نصف صدی تک مغربی افکار و خیالات کی اسلام پر یورش اور نکتہ چینی کا جس پامردی کے ساتھ اور مؤثر انداز میں دفاع کیا اُس کی مثال مشکل سے ملے گی نوجوانوں اور مغربی تعلیم یافتہ ذہنوں پر اُن دل پذیر و دلنشین تحریروں کا غیر معمولی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اثر ہوا جس کا اندازہ خود آج کے اس عظیم اجتماع سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مرحوم نے اپنے زورِ قلم اور اندازِ نگارش سے اسلام اور اُس کی پاکیزہ تعلیمات کو جس دل نشین انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ وہ تصنیف و تالیف کے بحرِ ذخار تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اُن کی بعض تحریروں سے کسی اسلوبِ تحریر یا تعبیر سے کسی کو اختلاف ہو مگر جس قابلیت اور دلسوزی کے ساتھ انھوں نے اسلام کے مقدس پیغام کو جدید اسلوب اور دلپذیر قالب میں پیش کیا۔ اس پر آفریں نہ کہنا انصاف کے خلاف ہے۔ تفہیم القرآن کی چھ ضخیم جلدوں میں انھوں نے معارفِ قرآنی کے بیان میں جس کاوشِ فکر و نظر اور دیدہ وری سے کام لیا ہے وہ اسلامی لٹریچر کا ایک قیمتی اثاثہ ہے..... اُن کی خدمات اور کارنامے ہماری تاریخ میں بھلائے نہ جا سکیں گے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کی نظر میں

مولانا محمد علی سے کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا۔ یاد آتا ہے کہ ان سے سب سے پہلی ملاقات ۱۹۲۰ء میں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے جلسوں میں کہیں دیکھا ہوگا۔ مولانا محمود الحسن کا دہلی میں ڈاکٹر انصاری کے مکان پر انتقال ہوا تھا۔ ان کا جنازہ دیوبند لایا گیا تھا۔ صبح کی نماز میں مسجد میں مولانا محمد علی موجود تھے کس وقت آئے، کیسے آئے، کیسے اس قدر جلد پہنچے، کچھ معلوم نہیں۔ یہ بڑے جوش وخروش کا زمانہ تھا، خلافت تحریک زوروں پر تھی، مولانا سبز عبا پہنے ہوئے تھے، داڑھی ان کے چہرے پر بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

بعد میں دار العلوم میں تشریف لائے اور فرمائش کے بغیر تقریر کی، حسب عادت اپنی تقریر میں قرآن پاک کی آیتوں کے حوالے دیتے، ان کے ترجمے اور تشریح کی، گلا پڑا ہوا تھا، ایسا پڑ گیا تھا کہ صاف ہونا مشکل تھا مگر اس کی کوئی پروانہ تھی۔ میری عمر تقریباً بیس سال تھی۔ میں نے بھی مصافحہ کیا۔

کچھ دنوں بعد دار العلوم دیوبند کے بزرگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا تھا تاریخی سلسلے ہیں۔ ہم چند طالب علم ان کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ کوچہ چیلان میں آصف علی مرحوم کے مکان کے قریب ہمدرد پریس تھا۔ اوپر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصے میں خود رہتے تھے۔ لمبا چوڑا پھاٹک تھا (اب میں نے دیکھا تو وہاں کا نقشہ ہی بدل گیا ہے) صبح کا وقت تھا مولانا چارپائی پر بیٹھے تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ دیوبند آنا ہے اور اس اختلاف کو دور کرانا ہے۔ کہنے لگے کہ علماء کا معاملہ ہے، میں اس میں کیا کر سکتا ہوں مگر تھوڑی ردو کد کے بعد راضی ہو گئے۔ دیوبند تشریف لائے، معاملے کی اس طرح تحقیق کی جیسے کوئی لائق و فائق جج کرتا ہے۔ حیرت اس بات پر ہوئی کہ دو دن پہلے جو بات ان سے دہلی میں ہوئی تھی انھیں یاد تھی۔ ہم پر بڑا اثر ہوا

۱۹۲۷ء میں پشاور میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس تھا۔ سائمن کمیشن کا زمانہ تھا۔ مولانا محمد علی اور مولانا حسرت موہانی میں سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے سوال پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ حسرت موہانی آزادی ہند کے زبردست مجاہد تھے۔ اس کے لیے بڑی سختیاں برداشت کی تھیں۔ مگر وہ سمجھتے تھے کہ سائمن کمیشن کا بائیکاٹ سیاسی لحاظ سے مناسب نہیں ہے۔ جمعیۃ العلماء کی مجلس مرکزیہ کا اجلاس تھا۔ ڈائس پر سبھی لوگ موجود تھے۔ مولانا محمد علی حسرت پر چوٹیں کر رہے تھے اور حسرت موہانی ہنس رہے تھے۔ مولانا محمد علی نے حسرت کا شعر بھی مذاقاً دہرایا ؎

چکی کی مشقت بھی، بائکاٹ سے نفرت بھی
ہے طرفہ تماشا حسرت کی طبیعت بھی

سبھی لوگ لطف اندوز ہو رہے تھے۔

کراچی میں علماء نے فتویٰ دیا کہ فوج کی ملازمت حرام ہے۔ مولانا محمد علی پر مقدمہ چلا، سزائیں ملیں۔ اس مقدمے میں مولانا حسین احمد مدنی مرحوم بھی ماخوذ تھے۔ عدالت میں مولانا حسین احمد مدنی نے جو بیان دیا تھا اس سے خوش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو کر مولانا محمد علی نے بھری عدالت میں ان کے قدم چوم لیے تھے۔

خلافت تحریک کے زمانے میں مولانا محمد علی نے گاندھی جی کے ساتھ جو نا گپتی دورے کیے اس سے کانگریس کی تحریک میں بڑی جان آئی اور اس میں مولانا محمد علی کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ گاندھی جی کہتے تھے کہ میں ان دونوں بھائیوں کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ اس وقت مختلف سیاسی جماعتیں ضرور تھیں مگر سبھی پلیٹ فارم سے ملک کی آزادی کا مطالبہ کیا جاتا تھا اور مولانا محمد علی نے ہر پلیٹ فارم سے یہی آواز بلند کی۔ آزادی کے لیے انھوں نے جو جدوجہد کی ہے اس کی تاریخ اس ملک کے سینے پر لکھی ہوئی ہے۔ ان کی آخری تقریر یاد کیجیے۔

"میں یہاں سے آزادی لے کر واپس جاؤں گا، ورنہ زندہ واپس نہیں جاؤں گا۔"

آپ کو محسوس ہوگا کہ ملک کی آزادی کا جذبہ سب سے غالب جذبہ تھا مولانا کی زندگی میں تحریک آزادی بہت سے نشیب و فراز سے گزری مگر آخر دم تک انھیں وطن کی آزادی بے چین کیے رہی، وہ آزادی کے بہت بڑے حامی اور ہمارے بہت بڑے لیڈر تھے مجھے یقین ہے کہ اس ملک کی تاریخ نکھرے گی اور جب اس میں نکھار پیدا ہوگا تو مولانا محمد علی کا صحیح رول سامنے آئے گا۔

مؤتمر اسلامی کی کانفرنس میں شرکت کے لیے جدہ گیا تھا تو بیت المقدس بھی حاضر ہوا اور مولانا محمد علی کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ قبر بہت اچھی حالت میں ہے کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی، اور غالباً یہ شعر بھی کندہ ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے ؎

عالم کو رشک ہے جوہر کی موت پر

وہ بڑی مقدس جگہ پر دفن ہیں، وہ سرزمین پیغمبروں کا مسکن رہی ہے اللہ انھیں غریق رحمت کرے۔ آمین!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت مفتی صاحبؒ کا ایک یادگار پیغام جس کا ایک ایک فقرہ مخلصانہ نصیحت و بصیرت کا ایک مرقعہ ہے یہ پیغام کل ہند مسلم مجلس مشاورت کی تاسیس کے کچھ عرصہ بعد ملت کے عام ردعمل کو دیکھتے ہوئے جاری کیا گیا تھا ——— مرتب

"شکوہ و ماتم کسی زندہ ملت کا شیوہ نہیں"

شکوہ و ماتم کسی زندہ ملت کا شیوہ نہیں بلکہ اسے قدم قدم پر اپنی زندگی کا ثبوت خود ہی پیش کرنا ہوتا ہے، مجھے اس سے انکار نہیں کہ حالات بہت پیچیدہ اور سخت ہیں اور ہمارے دل پر بہت سے گھاؤ ثبت ہیں مگر ان کا علاج کسی دوسرے کے کیے سے نہیں ہو سکتا بلکہ جو کچھ کرنا ہوگا خود ہی کرنا ہوگا۔

آپ نے قرآن مجید میں قوموں کی زندگی اور انقلاب کا یہ ضابطہ پڑھا ہوگا کہ خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلا کرتا جب تک کہ وہ قوم خود ہی اس کا ارادہ نہ کرلے۔ مومن اور غیر مومن کسی کے سلسلہ میں اللہ کے اس ضابطہ میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ یہ دنیا اسباب و علل کے قانون پر قائم ہے جو انسانی گروہ ارادہ و عمل کے جوہر سے عاری ہوگا اسے زوال نصیب ہوگا۔ خواہ اس کی تعداد کم ہو یا زیادہ اور جس میں یہ صفات پائی جائیں گی اسے کامیاب ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

میں ہندوستان کے مسلمانوں سے قطعاً مایوس نہیں۔ ان کی ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک بستی میں ایسے سیکڑوں دل موجود ہیں جو اسلام کو چلتی پھرتی حالت میں اور مسلمانوں کو اس کا عملی نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ ان تڑپتے ہوئے دلوں کو کس طرح جوڑا جائے۔ ہمارے یہاں الحمدللہ مسلمانوں کی متعدد تنظیمیں کام کررہی ہیں اور ان میں لاتعداد ایسے افراد موجود ہیں جن کے تقدس اور تقوی کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔

میں اس زوال اور افلاس کے عالم میں بھی پورے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ مخلص اور بے لوث کارکنوں کا جو سرمایہ مسلمانانِ ہند کے پاس موجود ہے اس کی مثال اس ملک میں کسی گروہ یا جماعت کے پاس نہیں پائی جاتی۔ لیکن امت ان جماعتوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور اس کی ذمہ داریاں ان سے زیادہ وسیع ہیں جو اب تک ہماری تمام تنظیموں نے لے رکھی ہیں۔ اس لیے ہم نے چاہا تھا کہ ہماری ان تمام تنظیموں اور ان سے ماوراء ہمارے تمام مسالک اور مکاتب خیال کے اکابر کا ایک فورم ایسا ضرور ہونا چاہیے جہاں ہم سب بیٹھ کر اپنے حالات کا جائزہ لے سکیں، ایک دوسرے کے کاموں میں ہاتھ بٹا سکیں اور مشترکہ امور میں مل جل کر آگے بڑھ سکیں۔ مسلم مجلس مشاورت اسی فورم کا دوسرا نام ہے۔

یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ غیر مسلموں کے ایک حصے نے اس اجتماع کو اپنا حریف سمجھا، ادھر مسلمانوں کے بھی ایک طبقہ کو یہ اندیشہ ہے کہ مجلس مشاورت کہیں انھیں اپنے اندر جذب نہ کرلے اور ان کا جداگانہ وجود اور قیادت خطرہ میں نہ پڑ جائے۔ حالاں کہ یہ اجتماع نہ کسی کا حریف تھا اور نہ کسی کی انفرادیت کو ختم کرنے والا — اپنے ملک کے غیر مسلموں کو ہم ایک طرح سے مظلوم سمجھتے ہیں وہ عام مسلمانوں سے کچھ مخصوص تاریخی پس منظر کی وجہ سے بدگمان ہیں اور اس

© rasailojaraid.com